راجہ گوونبد بخش اور ان کی شاعری

از:-

ثمینہ شوکت صاحبہ ایم۔ اے (عثمانیہ) حیدرآباد دکن

یہ اٹھارہویں صدی کے وسط کی بات ہے حیدرآباد پر اس وقت آصف جاہی خاندان کے جو تھے حکمران سکندر جاہ کی حکومت تھی۔ سکندر جاہ کے پردادا امیر قمرالدین خاں آصف جاہ اول کے ساتھ دہلی سے اُن کے جو معتمد علیہ عہدہ دار آئے تھے ان میں اکبری دور کے وزیر راجہ ٹوڈرمل کی اولاد میں ایک مول چند بھی تھے۔ مول چند کی اولاد میں کئی افراد حیدرآباد کی ریاست میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ ان میں سے مہاراجہ چندولعل کا نام ہندوستان کی تاریخ میں شہرۂ آفاق ہے۔ مہاراجہ چندولعل خود شاعر تھے، شعراء کے سرپرست تھے اور انھوں نے شاہ نصیر، شیخ حفیظ وغیرہ کو شمالی ہند سے حیدرآباد بلا کر اپنی سرکار میں ملازم رکھا تھا۔ ذوقؔ اور ناسخؔ کو بھی انھوں نے حیدرآباد آنے کی دعوت دی تھی۔ ان ہی مہاراجہ چندولعل کے چھوٹے بھائی راجہ گووند بخش تھے جو فارسی کے اچھے شاعر اور کئی شعراء کے سرپرست بھی تھے۔

گووند بخش، راجہ چندولعل کی پبلک زندگی کے نہیں تو کم سے کم ان کی ادبی زندگی کے شریک ضرور تھے۔ باپ کے انتقال کے بعد دونوں کی پرورش، چچا نانک رام کی عام نگرانی اور ان کی والدہ کی سرپرستی میں ہوئی تھی۔

گووند بخش اور چندولعل کی زندگی کے بہت سے واقعات ایک دوسرے کے ساتھ گتھے ہوئے ہیں۔ چندولعل کی تصنیف "عشرت کدۂ آفاق" گووند بخش کے بچپن کے حالات کے بارے میں عادتاً ساکت و صامت ہے۔ کسی اور تاریخ سے بھی ان امور پر روشنی نہیں پڑتی۔ اس خصوص میں غلام حسین خاں ہمدانی منفرد

ہیں۔ ہمدانی نے گووند بخش کے فارسی دیوان کا بسیط مقدمہ لکھا ہے جس میں ان کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ہمدانی کو گووند بخش سے قریب رہنے کے مواقع حاصل رہے، اس لئے وہ گووند بخش کے بارے میں بہت سی ایسی معلومات فراہم کرتے ہیں جو کسی اور ماخذ سے دستیاب نہیں ہوتیں۔ یہ صحیح ہے کہ ایسے منفرد بیانات جب کہ ان کی تائید دوسری سندوں سے نہ ہوتی ہو کمزور سمجھے جا سکتے ہیں۔ تاہم جو تقرب ہمدانی کو اُس خاندان کے ساتھ حاصل رہا اس کے لحاظ سے اس کے بیانات عینی شہادتوں پر مبنی کہے جا سکتے ہیں۔ چندولعل کے خاندان کے ساتھ ہمدانی کو موروثی توسل حاصل تھا اور خاص طور پر گووند بخش سے انھیں کافی قرب تھا اور ان کی رفاقت نصیب تھی۔ ایسی صورت میں ان کے خاندانی حالات و روایات سے ہمدانی جس قدر واقف ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔ چنانچہ گووند بخش کے حالات زندگی کے بارے میں اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر لکھا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے تعلقات کی بنا پر اس نے بعض جگہ مبالغے سے کام لیا ہو لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ اس نے غلط بیانی کی ہو گی۔ گووند بخش سے ہمدانی کے گہرے تعلقات کا اندازہ "دیوان ضیائی" کے دیباچہ کے ایک اقتباس سے ہو سکتا ہے جس میں وہ اس خاندان سے اپنے دیرینہ توسل کی طرف اس طرح اشارہ کرتا ہے:۔

"بندہ ہمہ دان ہیچمدانی غلام حسین ہمدانی کہ بندگی این آستان دولت بنیان سمت موروثی اوست و از نسیم بیا بانش ہر رنگ گل تر شگفتہ و تازہ اوست بہ یمن فیض تعلیمات آن فلاطون عصر کہ تعلیم گرفتہ استاد ازل است دیدہ استفادہ بہ دریافت علوم کشود و از سن تمیز بہ خوشہ چینی خرمن صحبت سراپا افادتش کہ فیض یافتہ مبدع فیاض است بقدر حوصلہ خویش سرمایہ ذخیرہ فنون و ہنر ربودہ"[1]

گووند بخش ۱۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ سنہ کسی تاریخ میں نہیں ملتا لیکن اس کا پتہ مہاراجہ چندولعل کی تاریخ پیدائش سے چلایا جا سکتا ہے۔ "عشرت کدہ آفاق" اور "تاریخ یادگار مکھن لعل" کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ گووند بخش، چندولعل سے تین برس چھوٹے تھے۔ چندولعل کی سنہ پیدائش ۱۱۷۹ھ ہے[2]۔ اس لحاظ

[1] دیباچہ دیوان ضیائی ورق ۱۱ و [2] ڈکشنری آف انڈین بیاگرافی ص ۶۹۔

سے گووند بخش کا سنہ پیدائش ۱۱۵۶ھ ہوتا ہے۔ چندو لعل نے "عشرت کدہ" میں لکھا ہے کہ ان کی اور گووند بخش کی پرورش ان کے چچا نانک رام کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ لیکن ہمدانی کا بیان ہے کہ ان دونوں کی پرورش ان کی ماں کی نگرانی میں ہوئی۔ لکھتا ہے :۔

"القصہ ایں دو گوہر دریائے دولت و اقبال و دو تیر سپہر فضل و کمال چوں در یتیم در صدف دامانِ کنار والدۂ ماجدۂ خود پرورش می یافتند"[۵]

نرائن داس کے انتقال کے وقت گووند بخش کی عمر صرف ۸ برس کی تھی اس لحاظ سے یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر اپنی والدہ کے پاس رہتے تھے۔ ہمدانی کا بیان بھی گووند بخش سے متعلق سمجھا جا سکتا ہے۔ خاندان کے بزرگ ہونے کے لحاظ سے ان کے چچا نانک رام تعلیم و تربیت کے کفیل بھی ہو سکتے تھے لیکن قریبی نگرانی ان کی والدہ کی رہی ہوگی۔ ہمدانی اور چندو لعل کے بیانات میں جو اختلاف ہے اسکی توجیہہ بھی غالباً اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جہاں تک چندو لعل کا تعلق ہے، "عشرت کدہ" کا بیان زیادہ قرین قیاس ہے، اور جہاں تک گووند بخش کا تعلق ہے ہمدانی کا بیان صحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

ہمدانی نے "دیوان ضیائی" کے دیباچہ میں جو باتیں گووند بخش کے خاندانی حالات کے بارے میں لکھی ہیں وہ تمامتر بے بنیاد تو نہیں ہو سکتیں۔ جو کچھ ہمدانی لکھ رہا تھا اس سے گووند بخش کو اتفاق تھا یا کم از کم انھیں اختلاف نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ جس بات سے گووند بخش بلکہ خود چندو لعل کو اختلاف ہو سکتا تھا وہ "دیوان ضیائی" کے دیباچہ میں کس طرح آ سکتی تھیں؟۔ فرق صرف اتنا ہے کہ چندو لعل سیاسی تھے' انھوں نے اپنے بیان میں سیاست سے کام لیا اور گووند بخش کو عملی سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے ان کے دیوان کے دیباچہ میں ان کی پرورش اور چچا کے سلوک کے بارے میں سچی باتیں لکھدی گئیں۔

ہمدانی بہرحال صداقت پسند تھا وہ سنگین حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتا تھا اور غالباً اخفائے واقعہ کو جرم سمجھ کر اس کے اظہار سے اس نے گریز نہیں کیا۔ ایسی صورت میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ نانک رام نے گووند بخش کی تعلیم و تربیت میں تساہل کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کی علم و ہنر

---

۵ دیباچہ دیوان ضیائی ورق ۲، ب

سے جو ذاتی لگن تھی وہ گوبند بخش کو خاموش بیٹھنے نہ دیتی تھی۔ اس خصوص میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ہنر اور کمال کا شائبہ بھی نظر آیا گوبند بخش ان مقامات کا طواف کرتے رہے۔ ارباب کمال کی صحبتوں سے ان میں عالمانہ شعور اور ادراک پیدا ہوا۔ اس بارے میں ہمدانی کے اشارے حسب ذیل ہیں۔

"این والا استعداد عالی نژاد از عنفوان جوانی کہ نعل بہ زنگاینت تضیع اوقات را کفر ملت ارباب ثروت تصور نمودہ بہر محفلے کہ واردشدہ ذخیرہ تتبع بر داشت و بہر صحبتے کہ فائز گردید سرمایہ فائدہ معتد بہ حاصل ساخت"[1]۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ گوبند بخش کی تعلیم کچھ اونچے پیمانہ پر نہیں ہوئی تھی۔ ہمدانی کے بیان سے یہ واضح ہے کہ انھوں نے جو کچھ کسبِ کمال کیا وہ اپنی سعی اور ذوق کے بل بوتے پر اور زیادہ تر اہلِ کمال کی صحبتوں سے فیض اٹھایا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں تک فارسی شاعری کا تعلق ہے گوبند بخش اپنے بھائی چند دیعل سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبدءِ فیاض نے شعر و سخن کا ملکہ گوبند بخش کی ذات میں ودیعت کیا تھا۔ اس پر ارباب کمال کی صحبتیں سمندِ شوق کے لئے تازیانہ ہو گئیں۔ ابھی مشکل سے وہ اپنی عمر کی گیارہویں منزل میں تھے کہ شعر و سخن کی حسین دیوی نے ان کا دل موہ لیا۔ اس بارے میں ہمدانی کا اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"چون دور سیر آفتاب عمر اقدس بہ لوح یازدہم رسیدہ عشرہ اولی از سن والا منقضی ـــ باوصفیکہ ہنوز چشم بمطالعہ درسی نکشودہ سواد معنی یابی و سخن شناسی روشن نفرمودہ بود باوجودیکہ زبان فارسی را از دری باز نشناختہ و در بحر محیط عروض و قافیہ شناوری نہ نمودہ بمحض بہ مقتضائے موزونیت ذاتی و استعداد فطری کہ در سینہ صفا گنجینہ کہ گنجینہ اسرار ملکوت است مودوع ید قدرت بود۔ ـــ غزلیکہ اگرچہ نوگریز خامہ کرامت طراز و ابیاتے کہ تراوش کردہ زبان اسرار ترجمان است پیشکش معنی کہ بیان دقیقہ شناس و ہدیہ غواصان محیط افکار می سازد"[2]

---

[1] دیباچہ دیوان غیاثی ورق ۵ و [2] ایضاً ورق ۱۵ب۔

اس اقتباس میں ہمدانی کے توصیفی انداز سے قطع نظر گووند بخش کی شاعری کے بارے میں کچھ ٹھوس حقائق بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔

ملازمت نانک رام کی وفات کے بعد موروثی عہدہ کروڑگیری کس کو ملا؟ اس بارے میں واضح بیانات بہت کم ملتے ہیں۔ اس عہد کی تاریخوں سے بھی اس موضوع پر بہت کم روشنی پڑتی ہے۔ ہمدانی یہ بتاتا ہے کہ نانک رام کے انتقال کے بعد ان کا عہدہ چندو لعل کو ملا اور انتظاماتِ مقدمات خانگی و بندوبست تعلقہ کا کام گووند بخش کو تفویض ہوا۔ چنانچہ ہمدانی کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"بعد رحلت عم بزرگوار خویش یا بہ عرصہ تلاش گذاشتہ زمان قلیل و کمتر فرصت مربع نشین خدمت موروثی گشتند۔ سوال و جواب و آمد و رفت، دربار بہ عہدہ اخوی بزرگ انتظام خانگی و بندوبست تعلقہ بہ این والا تبار مقرر یافت ــ ۔۔۔۔ برائے لکھپت رام فرزند نانک رام را از عروج یک والا نژادان آتش حسد در کانونِ جگر شعلہ کشید و دودینی از کاخ دماغ تصاعد نمودہ بہ اقبال اضافہ تعہد خدمت سائر گشت ــ این والا نژادان باوجود قوتِ وقدرت اصلا در بحالی و استرداد۔ خدمت سعی نہ فرمودند"[۵]

ہمدانی کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نانک رام کی وفات کے بعد موروثی خدمت ان کے بیٹے لکھپت رائے کو نہیں ملی بلکہ ان کے بھتیجوں چندو لعل اور گووند بخش پر بانٹ دی گئی تھی جو بعد میں لکھپت رائے کی کوششوں کی وجہ سے ان دونوں سے چھین کر خود ان کو دیدی گئی۔ لیکن چندو لعل سے قریب ترین شہادت جو اس بارے میں ملتی ہے اس سے ہمدانی کے بیان کی تائید نہیں ہوتی۔

غلام امام خاں مصنف "تاریخ رشید الدین خانی" مرتبہ ۱۲۷۰ھ کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نانک رام کے انتقال کے بعد ان کی موروثی خدمت ان کے بیٹے لکھپت رائے یا لکھپت رام کو ملی[۶] لکھپت رائے کے کام کی ابتری کا بھی صاحب تاریخ رشید الدین خانی نے تذکرہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

---

۵ دیباچہ دیوان ضیائی ورق ۸ ب، ۹ و ۶ تاریخ رشید الدین خانی ص ۲۲۷۔

"چند روز کے بعد جب نانک رام نے قضا کی اور لکھپت راؤ کا کام ابتر ہو گیا تو بدیع اللہ خاں ملازمت کروڑگیری پر مامور ہوئے۔"[1]

لیکن اس بات سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا کہ تاریخ رشید الدین خانی کا بیان خود مبہم ہے۔ یہ بات قرین قیاس ہو سکتی ہے کہ نانک رام کے مرنے کے بعد ان کی موروثی خدمت لکھپت رائے کو ملی کیونکہ لکھپت رام نانک رام کے بیٹے تھے۔

ہمدانی جب یہ کہتا ہے کہ نانک رام کی خدمت اُن کے بیٹے چندو لعل اور گووند بخش کو ملی تو اس کے بیان سے خدمت کا تعین نہیں ہوتا۔ وہ "خدمت موروثی" لکھتا ہے۔ نانک رام کی خدمت کروڑگیری کی نظامت تھی۔ جاگیرداری نظام میں اکثر ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ صاحبِ خدمت کے انتقال پر یا اس کے خدمت سے ہٹنے کے بعد اس کے سلسلہ میں اس کے متعلقین کو جگہ دیجاتی ہے ہو سکتا ہے کہ ہمدانی کا بھی مطلب یہی ہو۔ مختلف بیانات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ چندو لعل کو سب سے پہلی ملازمت محکمہ کروڑگیری میں محرری کی ملی تھی غلام امام خاں کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لکھپت رائے سے کروڑگیری کی خدمت کا کام چھین کر بدیع اللہ خاں کے تفویض کیا گیا اور وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ "چندو لعل نے ان کی اطاعت قبول کر لی"[2] جس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ چندو لعل ان کے ماتحت کام کرتے تھے۔

راجہ گووند بخش کی ابتدائی ملازمت کے بارے میں واقعات واضح نہیں ہیں۔ اس زمانہ کے کسی تاریخ میں تفصیلات درج نہیں ہیں۔ اگر درج ہیں تو وہ چندو لعل کے متعلق ہیں۔ چنانچہ لکھن لعل مصنف "تاریخ یادگار لکھن لعل" کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب چندو لعل کڑپہ کی فوجداری پر بھیجے گئے تو ان کے محلات کھتل وغیرہ کا انتظام راجہ گووند بخش کے ذمہ کیا گیا۔[3] اس اثنا میں رائے لکھپت رائے سبکدوش ہوئے کچھ دنوں کے لئے محکمہ کروڑگیری راجہ اندرجیت اور کاظم علی خاں کے تفویض ہوا۔ گووند بخش کی خوش نصیبی کی بدولت ان دونوں سے بہتر انتظام نہ ہو سکا۔

ارسطو جاہ کی سفارش سے گووند بخش راجہ اندرجیت کی جگہ پہلی بار کروڑگیری کی خدمت پر

---

[1] تاریخ رشید الدین خانی ص ۲۲۴۔ [2] ایضاً۔ [3] تاریخ یادگار لکھن لعل ص ۹۵۔

مامور ہوئے[51] اس کے ڈیڑھ ماہ بعد ترقی پائی اور کھیم کرن کی جگہ محصول مکان ..... کے نگران کار مقرر ہوئے۔ اس عہدہ پر پانچ سال تک رہنے کے بعد ۱۸۰۶ء میں ان کا تقرر مستوفی گری پر ہوا۔ گووند بخش حضور نظام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نذرانہ پیش کیا[52]۔

ارسطو جاہ کی سفارش سے گووند بخش کو تعلقہ کروڑ گیری کی خدمت ملی تھی ارسطو جاہ نظام کے بڑے طنطنہ پسند مزاج دیوان تھے وہ وفاداری میں دوئی کے قائل نہیں تھے۔ اس کے باوجود اسے گووند بخش کی سمجھ بوجھ کہنا چاہیے کہ انھوں نے نظام سے بڑھتی ہوئی عقیدت رکھتے ہوئے بھی ارسطو جاہ کے دل میں اپنی وفاداری کے بارے میں شبہہ پیدا ہونے نہیں دیا[53]۔

۱۲۱۹ء میں ارسطو جاہ کا انتقال ہوا اور میر عالم ان کی جگہ دیوان بنائے گئے[54]۔ اس زمانہ میں گووند بخش کو اور بھی عروج حاصل ہوا کیونکہ میر عالم ایک طرح سے اس خاندان کے بہی خواہوں میں تھے۔ بھی پت رام ان دنوں برار اور اورنگ آباد کا صوبہ دار تھا میر عالم کی اس سے پرخاش تھی۔ کیونکہ اس نے میر عالم کی مدار المہامی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میر عالم کو دیوانی کے لئے انگریزوں نے چنا تھا۔ انھیں کے اثر سے سلطنت پر میر عالم کی تنہا حکمرانی تھی۔ ایسی صورت میں سکندر جاہ کی میر عالم سے بدگمانی اور بھی پت رام کی تائید فطری بات تھی۔ لیکن اس وقت کے رزیڈنٹ مسٹر سڈنہام سے میر عالم کے خاص تعلقات تھے۔ چنانچہ ان دونوں کی کوششوں کی بدولت اور خاص طور پر رزیڈنٹ کے ایما سے بھی پت رام کو خدمت سے معزول کیا گیا۔

بھی پت رام کی جگہ ۲ دسمبر ۱۸۰۶ء کو گووند بخش صوبہ برار۔ بالا گھاٹ۔ پائین گھاٹ اور اورنگ آباد کے بندوبست کے لئے مامور ہوئے۔ اس تقرر کی خوشی میں رزیڈنٹ نے انھیں جیغہ۔ سرپیچ اور مرصع ہار پہنا کر روانہ کیا[55]۔

ایک مدت تک گووند بخش اورنگ آباد میں رہے۔ اس مقام کے لئے گووند بخش نئے نہیں تھے۔

---

۵۱ تاریخ یادگار مکھن لال ص ۔ ، ۵۲ کرونالوجی آف ماڈرن حیدرآباد ، ۵۳ گلزار آصفیہ ص ۲۳۹ ، ۵۴ ایضاً ص ۱۶۶

۵۴ گلزار آصفیہ ص ۱۰۱ ، ۵۵ کرونالوجی آف ماڈرن حیدرآباد۔

ان کے اسلاف میں پورن رام اور ان کے بیٹے مول چند (جد امجد راجہ گووند بخش) اورنگ آباد میں کروڑگیری کی خدمات پر دائزہ ہو چکے تھے۔ گووند بخش کے زمانہ صوبہ داری میں اورنگ آباد کے شرفار اور نامور امیروں جیسے جلال الدولہ بہادر محمد صلابت خاں بہادر فتح جنگ خاں بہادر اور صالح محمد خاں کے علاوہ دیگر منصب داروں اور جمعداروں وغیرہ کی ایک بڑی تعداد ان کی فرمانبرداری میں دن رات حاضر رہا کرتی تھی۔ گووند بخش کے دربار کی عظمت اور جلالت کا یہ حال تھا کہ کسی کو ضروری گذارش کے سوا گفتگو کی مجال نہ تھی چنانچہ صاحب گلزار آصفیہ لکھتے ہیں۔

"امیرے بود با شان و شوکت صلابت و صولت۔ شجیع سخی نجیب پرور رفیق نواز عدیم المثال صلابت دربار خویش ہر آں ہیبت و صولت داشت کہ احدے را طاقت گفتار غیر عرض ضروری لابدی ہرگز نبودہ"[۵۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گووند بخش بڑے اقتدار پسند عہدہ دار تھے۔ لیکن ان کی فطرت میں کچھ ایسی لچک اور نرمی تھی، کچھ ایسا سلیقہ تھا جو انھیں دوسرے جاگیرداروں سے ممتاز کرتا ہے۔ اپنے ملازمین کی معاشی تنگی انھیں کبھی پسند نہ آتی تھی۔ عام طور پر اس زمانہ میں ملازمین کی تنخواہیں ماہ بہ ماہ نہیں ملتی تھیں لیکن گووند بخش نے یہ التزام کیا تھا کہ اپنے ملازمین کا حق خدمت بلا تاخیر ملتا رہے۔

گووند بخش کے تفویض جو تعلقات کیے گئے تھے ان کا انتظام بڑی خوش اسلوبی سے ہوتا رہا۔ سکندر جاہ اپنی خوشنودی کے اظہار کے لئے وقتاً فوقتاً انھیں جاگیر اور انعام سے سرفراز کرتے رہتے۔ حیدرآباد کے دفتر مال و ملکی میں جو مثلہ اس خاندان کی خدمات سے متعلق ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ گووند بخش کو ۱۲۳۳ھ تک جملہ ساٹھ ہزار دو سو ترانوے روپے آٹھ آنے کی جاگیر عطا ہوئی تھی۔[۵۲]

اورنگ آباد کی صوبہ داری پر مامور ہونے کے تین سال بعد گووند بخش حیدرآباد آئے اور ان کے کام سے خوش ہو کر حضور نظام نے انھیں جیغہ، سرپیچ اور پالکی سے سرفراز کیا[۵۳]۔ مصنف گلزار آصفیہ لکھتا ہے۔

---

۵۱ گلزار آصفیہ ص ۲۴۰، ۵۲ مثل نمبر ۱۲۱۸ جاگیر دفتر ریکارڈ آفس، ۵۳ کرونالوجی آف ماڈرن حیدرآباد۔

"از پیشگاہ حضور پر نور بہ منصب شش ہزاری، چہار ہزار سوار و جاگیر لکھو کھا روپیہ ذات وصفات، نوبت علم و نقارہ نشان فیل و پالکی جھالردار با جمعیت سواران و پیادہا در سالہائے خاص امور کار و بار بہ سرفرازی سرایائے جواہر اعلیٰ شرف و مباہی شدہ عالمے را فیض یاب فرمودند۔"[4]

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں گووند بخش کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی چنانچہ ایسے دستاویز دستیاب ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کرناٹک کے والاجاہی حکمرانوں سے ان کی مراسلت ہوا کرتی تھی اور ان کے دربار سے گووند بخش کے لئے القاب بھی مقرر تھے۔ جو حسب ذیل تھے، جو ان کے موسومہ مراسلات میں برتے جاتے تھے۔

"راجہ گووند بخش بہادر"

"محب و موالات دستگاہ"[4]

اہلِ کمال کی سرپرستی ہمارے پرانے اخلاقی معیاروں کے لحاظ سے بہت مستحسن سمجھی جاتی تھی اس لئے لوگ اسے روایتاً بھی اپنانے کی کوشش کرتے تھے۔ گووند بخش کے بھائی چندولعل کے دربار سے کم و بیش تین سو شعراء متوسل تھے۔ گووند بخش کی رگوں میں بھی آخر وہی خون تھا اس لئے وہ بھی اہلِ کمال کی سرپرستی میں اپنے بھائی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے۔ اربابِ کمال کی ایک بڑی جماعت علماء، فضلاء، فقراء، مشائخین پر مشتمل ان کے دامن دولت سے وابستہ تھی۔[5] گووند بخش کی یہ سرپرستی ہندو اور مسلمانوں کو عملی طور پر ایک دوسرے سے قریب لانے میں مددگار ثابت ہوئی۔ یہ حقیقت میں حیدرآباد کی پرانی روایات تھیں، جنھیں وہ برقرار رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ گووند بخش کے دربار سے جن شعراء اور علماء کو توسل حاصل تھا ان میں سبھی یعنی ہندو اور مسلم دونوں گروہوں کے لوگ شامل تھے۔

جاگیردارانہ نظام میں کبھی کبھی عروج کے ایسے لمحات بھی آئے ہیں کہ شخصیتوں کا اقتدار شاہوں کے رنگ ڈھنگ ہوگیا ہے۔ اس خصوص میں دکن کی سرزمین میں گووند بخش کو شاید اولیت حاصل ہے جس کی

ے گلزار آصفیہ ص۲۸۰، ۳۔ دستور الالقاب ورق ۱ب، ۵۔ دیباچہ دیوان ضیائی ورق ۱ اور

عجیب و غریب مثال یہ ہے اورنگ آباد کی صوبہ داری پر مامور ہونے کے پانچ چھ سال بعد ہی انھوں نے اپنے نام کا سکہ جاری کر دیا تھا۔ مصنف بوستان آصفیہ اس بارے میں لکھتا ہے۔

"کسی زمانہ میں گووند بخش کا ایسا زور تھا کہ حیدرآباد میں ان کے نام کا سکہ جاری ہوا اور سنہ ۱۲۲۶ھ سے سنہ ۱۲۳۵ھ تک دیکھا گیا ہے اس کو سکہ گووند بخشی کہتے ہیں۔"[۵۱]

اس اقتدار اور اس کے اظہار کے ردِ عمل کے لئے بہت جلد انھیں تیار ہو جانا پڑا۔ زمانہ کے الٹ پھیر سے ان کے وہ دن بدل گئے۔ پندرہ برس کی مدت ایک لمحے سے زیادہ نہیں تھی۔ اس ایک لمحے میں ہی وہ بے نقاب بھی ہوئے۔ اپنی گزشتہ عظمتوں کو سمیٹتے ہوئے تعلقات کا استعفیٰ لکھ کر بھیج دینے میں ہی غالباً بچاؤ کی صورت نظر آئی۔

ہمدانی کے یہاں یہ واقعہ باوجہ دان گے بچاؤ کے انداز کے گووند بخش کی سیرت کا ایک خاص پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔ چندولعل کی مدار المہامی کے زمانہ میں ان کے خاندان کی کوتاہیوں کا بیان غالباً بڑی جرأت کی بات تھی۔ گلزار آصفیہ کا مصنف گووند بخش کے انتقال کے بعد بھی زندہ تھا لیکن ان کے متعلق اس کی تفصیلات زیادہ تر توصیف پر مشتمل ہیں۔ البتہ مکھن لعل چندولعل کے مخالف رزیڈنٹ مٹکاف کی فرمائش پر اپنی تاریخ مرتب کر رہا تھا۔ اس لحاظ سے اس کی پاسداری ظاہر ہے چنانچہ گووند بخش کے فضائل بیان کرتے ہوئے ان کے جبر کے ایک ہلکے سے اشارہ کو کسی طرح نظرانداز نہیں کر سکا لکھتا ہے۔

"راجہ گووند بخش بہادر بہ فراخ حوصلگی و رسائی مقدمات عمدہ چندان از مہاراجہ راجہ چندولعل بہادر کمی ندارند۔ الا در داد و دہش کہ بہ موقع خرچ ندارند و در اغذ و انتزاع مال مردم یکتائے زمانہ کہ قریب یک کروڑ روپیہ جمع کردہ اند۔"[۵۲]

(باقی)

---

۵۱ بوستان آصفیہ ص ۲۳۵ ۵۲ تاریخ یادگار مکھن لال ص ۱۸۲۔